پرچہ I: (انشائیہ طرز)	انٹر (پارٹ-I)	اردو (لازمی)
کل نمبر: 80	2016ء (دوسرا گروپ)	وقت: 2.40 گھنٹے

(حصہ اوّل)

سوال :2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے:

(8,1,1)

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہو گی اِک دنیا نئی　　خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ جہاں ہو جائے گا
بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں　　حق عیاں ہو جائے گا، باطل نہاں ہو جائے گا

جواب : حوالہ متن:

نظم کا عنوان: مستقبل کی جھلک　　　شاعر کا نام: مولانا ظفر علی خاں

تشریح:

ان اشعار میں شاعر نے ایک ایسے پُرسکون دور کی نشاندہی کی ہے جس میں حق غالب اور باطل مغلوب ہوگا اور مسلمان دنیا میں اسلام کا بول بالا کر دیں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ چند دنوں کی بات ہے، ایک نیا عالم وجود میں آنے والا ہے۔ اس کے لیے مسلمان اپنا خون بہائیں گے یعنی وہ قربانیاں دیں گے اور اپنے لہو سے ایک نئی دنیا نہ صرف تعمیر کریں گے، بلکہ اپنے خون کی سُرخی سے اُسے رنگ و روغن بھی عطا کریں گے۔ یعنی آنے والا دور حسین بھی ہوگا اور رنگین بھی، اور اس دور کو یہ حسن اور رنگینی مسلمان عطا کریں گے یعنی مسلمان اپنی قربانیوں سے دنیا کو امن و سکون اور مسرت و راحت کا گہوارہ بنا دیں گے۔

کفر کے غلبے اور مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر عالمِ بالا کی پاک فضا میں غیرت کی بجلیاں تڑپیں گی اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل مٹ جائے گا۔ پہلے شعر کے مطابق جب مسلمان ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کے لیے اپنی قربانیاں دیں گے اور دینِ حق کے لیے اپنے لہو کے نذرانے پیش کریں گے تو اس جذبے کو دیکھ کر عالمِ بالا کی پاک فضا میں ہلچل مچ جائے گی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں اسلام کا غلبہ ہوگا اور کفر مٹ جائے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب حق آتا ہے تو باطل کا ختم ہو جانا ایک فطری امر ہوتا ہے۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (9,1)

رسمِ جفا کامیاب، دیکھیے کب تک رہے — حُبِّ وطن مستِ خواب، دیکھیے کب تک رہے

تا بہ کجا ہوں دراز، سلسلہ ہائے فریب — ضبط کی لوگوں میں تاب، دیکھیے کب تک رہے

پردۂ اصلاح میں، کوششِ تخریب کا — خلقِ خدا پر عذاب، دیکھیے کب تک رہے

جواب: شاعر کا نام: حسرت موہانی

شعر نمبر-1

تشریح:

یہ غزل مسلسل ہے، جس کا آغاز شاعر نے انقلابی انداز میں کرتے ہوئے انگریز کے ظلم و استبداد کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ برِصغیر کے مسلمانوں پر انگریز کا ظلم وستم جور وستم بنتا جا رہا ہے۔ دیکھیں یہ کب تک رہتا ہے اور وطن سے محبت کرنے والے ان حالات سے بے نیاز کب تک غفلت کی نیند سوئے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر شعر میں شاعر نے ایک طرف تو انگریز کے ظلم وستم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے جبکہ دوسری طرف مسلمانوں کی غفلت پر بھی ماتم کیا ہے۔ شاعر کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب کسی بدیسی طاقت کا ظلم وستم حد سے تجاوز کر جائے اور کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سرزمین کے باسیوں کا فرض ہوتا ہے کہ اسے روکیں۔

شعر نمبر-2

تشریح:

انگریز حکومت بڑی جابر اور شاطر تھی۔ انگریزوں نے برِصغیر پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ہر حربہ اختیار کیا اور ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ جہاں انھیں معلوم ہوتا کہ مسلمان سر اٹھانے لگے ہیں، انھیں ظلم و استبداد سے وہیں کچل دیا جاتا۔ یہ ستم رانیاں زیادہ تر مسلمانوں پر ہی ہوئیں۔ حتیٰ کہ ان پر روزگار کے دروازے بھی بند کر دیے گئے۔ مسلمانوں کی معیشت کے ساتھ معاشرت بھی تباہ ہو گئی۔ ایسے میں حسرت موہانی نے اس شعر کے ذریعے سے یہ سبق دیا ہے کہ

غلامی مستقل لعنت ہے اور توہینِ انساں ہے
غلامی سے رہا ہو اور آزادوں میں شرکت کر

اب شاعر کہتا ہے کہ انگریزوں کے ظلم و فریب کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے۔ صبر اور برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ عوام انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور تحریکِ آزادئ وطن میں آگے

بڑھیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم اپنے وطن کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ حسرت موہانی کا یہ شعر مسلمانوں میں جذبۂ حب الوطنی ابھارنے کے ساتھ ساتھ انھیں اس بات پر بھی آمادہ کر رہا ہے کہ وہ ظلم وستم کی زنجیروں کو توڑتے ہوئے انگریزوں کے خلاف منظم طریقے سے اٹھ کھڑے ہوں۔

شعر نمبر-3

تشریح:

شاعر برِصغیر کے مسلمانوں کے لیے ''خلقِ خدا'' کی ترکیب استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس دور میں خلقِ خدا یعنی برِصغیر کے مسلمان چاروں طرف سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ عوام کی نظروں میں اچھا بننے کے لیے انگریز نے یہاں کے قانون میں ایسی تبدیلیاں کیں، جو بظاہر یہاں کے عوام کے مفاد میں تھیں، مگر درحقیقت ان کا مقصد اپنے اقتدار کو طول دینا اور لوٹ کھسوٹ میں اضافہ کرنا تھا۔ چنانچہ حسرت موہانی نے ایسی سازشوں کا پردہ چاک کیا اور عوام کو اس حقیقت سے روشناس کروانے کے لیے، کہ انگریز کی تخریب کاری درحقیقت اصلاح کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے، وہ برملا پکار اُٹھے کہ خلقِ خدا پر ان کا عذاب دیکھیے کب تک رہے۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- سیاق وسباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی لکھیے: (10,3,1,1)

(الف) ''برسات کا حال تمھیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرایے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا۔ شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں۔ بالاخانے کا جو دالان میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، جینے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہوگئی۔ کہیں لگن، کہیں چلمچی، کہیں اُگالدان رکھ دیا۔ قلم دان، کتابیں اٹھا کر توشے خانے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتیِ نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب نجات ہوئی ہے۔''

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: خط بنام مرزا ہر گوپال تفتہ

مصنف کا نام: مرزا اسد اللہ خان غالب

سیاق و سباق:

یہ خط مرزا غالب نے اپنے ایک نہایت عزیز شاگرد ہرگوپال تفتہ کو لکھا ہے، جو فارسی کے شاعر تھے۔ انھوں نے مرزا صاحب کو اپنے کچھ قصیدے اصلاح کے لیے بھیجے تھے۔ ان کی اصلاح میں کافی دیر ہوگئی تو تفتہ نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ تمھارے قصیدوں کے علاوہ نواب ضیاء اللہ خاں وغیرہ کی غزلیں بھی اصلاح کے لیے آئی ہوئی ہیں۔ برسات کی وجہ سے مکان ٹپکتا رہا ہے، اس لیے میں نے لکھنے پڑھنے کا سامان سمیٹ کر سٹور میں رکھوا دیا تھا۔ اس کے علاوہ ویسے بھی اب بہت کمزور اور معذور ہو چکا ہوں۔ اب برسات ختم ہوئی ہے تو قصائد کی اصلاح کا کام کروں گا۔

تشریح:

یہ پیراگراف مرزا اسد اللہ خان غالب کے ایک خط، جو انھوں نے اپنے شاگرد ہرگوپال تفتہ کو لکھا تھا، میں سے لیا گیا ہے۔ جس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ برسات کا جو حال ہے وہ تمھارے علم ہی میں ہے۔ بڑی زوردار بارشیں ہوئی ہیں اور تمھیں یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا مکان اپنا ذاتی نہیں ہے۔ میں مکان کے اوپر والے حصے میں رہتا ہوں اور یہی میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور جینے مرنے کی جگہ اور مقام ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ کمرہ گرا تو نہیں، لیکن اس کی چھت میں اتنے سوراخ ہو گئے ہیں کہ گویا چھلنی بن کر رہ گئی ہے۔ کہیں پرات رکھی ہے، کہیں منہ دھونے کا برتن رکھا ہوا ہے تاکہ فرش پر کیچڑ سے بچاؤ ہو سکے۔ ایسے میں مَیں نے قلم دان، کتابیں اور لکھنے پڑھنے کا دوسرا سامان اٹھا کر سٹور میں رکھ دیا ہے تاکہ محفوظ رہے۔ عرصہ ہو گیا ہے کہ مالک مکان نے اس مکان کی مرمت کی طرف توجہ نہیں دی۔ یوں سمجھ لیں کہ اس شدید بارش میں ایسا محسوس ہوا کہ گویا میں حضرت نوحؑ کی کشتی میں تین مہینے تک سوار رہا اور اب جب کہ بارش رکی اور برسات ختم ہوئی ہے تو اس سیلاب سے آزادی اور رہائی نصیب ہوئی ہے۔

(ب) ”ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں داخل تھی مگر جس طرح ان کی اور باتوں میں بناوٹ نہ تھی اسی طرح ظرافت اور خوش طبعی میں مطلق تصنع نہ تھا۔ تحریر میں، تقریر میں، بات چیت میں جو لطیفہ یا شوخی ان کو سوجھ جاتی تھی اگرچہ کیسی ہی شرم و حجاب کی بات ہو ان سے ضبط نہ ہو سکتی تھی مگر ہر ایک امر کے بیان کرنے کا خدا نے ایسا سلیقہ دیا تھا کہ کوئی بات تہذیب کی حد سے متجاوز نہ ہونے پاتی تھی۔“

جواب: حوالہ متن:

سبق کا عنوان: سرسید کے اخلاق وخصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؔ

سیاق وسباق:

تشریح طلب نثر پارہ ''سرسید کے اخلاق وخصائل'' سے لیا گیا ہے، جو اس سبق کا ابتدائی پیراگراف ہے۔ اس سبق میں مولانا الطاف حسین حالیؔ ''سرسید احمد خان'' کے اعلیٰ اخلاق وعادات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بے حد مہمان نواز تھے۔ سخت محنت اور جفاکشی کی عادت نے ان کے ذہن، حافظے اور عقل کی صلاحیتوں کو بہت اعلیٰ درجے تک پہنچا دیا تھا۔ وہ سچی بات کہنے سے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ وطن اور قوم سے محبت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مخلص دوستوں کو اپنی زندگی کا ایک جزو سمجھتے تھے۔ انھوں نے زندگی بھر جو کچھ کمایا اسے اپنے گھر والوں کی خبر گیری کے علاوہ ملک وقوم کی بھلائی کے کاموں میں صَرف کر دیا۔

تشریح:

اس پیراگراف میں مولانا حالیؔ بتاتے ہیں کہ ظرافت، خوش مزاجی اور ہنسی مذاق کا مادہ سرسید کی فطرت میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ خوبی عطا کی تھی کہ جس طرح ان کی دوسری باتوں میں بناوٹ یا دکھاوے کا عنصر شامل نہیں ہوتا تھا اسی طرح ان کے ہنسی مذاق اور خوش گفتاری میں بھی قطعی طور پر کسی قسم کی بناوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان کے مذاق اور مزاح کا ہر پہلو فطری ہوتا تھا اور اپنے اس بے ساختہ پن کی وجہ سے یہ سننے والوں کو نہ صرف اچھا لگتا، بلکہ وہ اس سے لطف اٹھاتے تھے۔ بچے عام طور پر بڑے بوڑھوں کی محبت سے دور بھاگتے ہیں، کیونکہ اکثر بزرگ بچوں کو یا تو نصیحتیں کرتے رہتے ہیں یا پھر انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگتے ہیں۔ سرسید احمد خان بڑوں کے علاوہ بچوں کے ساتھ ایسی بے تکلفی سے پیش آتے تھے کہ وہ ان سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

مولانا حالیؔ مزید بتاتے ہیں کہ خوش طبعی اور مزاح کا پہلو سرسید احمد خان کے مزاج میں اس قدر رچ بس چکا تھا کہ وہ کچھ لکھ رہے ہوں یا کسی جگہ تقریر کر رہے ہوں یا پھر دوست احباب میں بیٹھے

بات چیت کر رہے ہوں اور ایسے میں ان کے ذہن میں کوئی لطیفہ یا شوخی کی کوئی بات آجاتی تو وہ اسے بالکل ضبط نہیں کر سکتے تھے' خواہ وہ بات کس قدر ہی پردے میں بیان کرنے والی کیوں نہ ہو' سرسید احمد خان کو اللہ تعالیٰ نے بات کو بیان کرنے کا ایسا سلیقہ عطا کیا تھا کہ وہ ہر طرح کی شرم وحجاب والی بات اس خوبصورتی سے بیان کر جاتے تھے کہ کوئی بات بھی تہذیب کی حد سے آگے نہ بڑھنے پاتی اور یہ ان کا بہت بڑا کمال تھا۔

سوال :4- کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی لکھیے: **(9,1)**

(الف) اسوۂ حسنہ ﷺ (ب) سفارش

جواب : **(الف) "اُسوۂ حسنہ ﷺ"**

مصنف کا نام: سید سلیمان ندویؒ

خلاصہ:

مختلف مذاہب نے اپنے بانیوں کے اقوال پر عمل کرنے پر زور دیا ہے' کیونکہ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے؛ لیکن اسلام نے حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بتایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے۔

دنیا میں مختلف پیشے ہیں: کوئی امیر ہے کوئی غریب' ایک حاکم ہے اور دوسرا محکوم۔ اس طرح معاشرے میں قاضیوں' سپہ سالاروں' سپاہیوں' افسروں' عبادت گزاروں' مجاہدوں اور تاجروں وغیرہ کا وجود بھی ناگزیر ہے۔ اسلام تمام طبقات کو سرورِ کائنات ﷺ کے اتباع کی دعوت دیتا ہے۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: "اگر دولت مند ہو تو مکّے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعبِ ابی طالب میں محصور اور مدینے کے مہمان کی کیفیت جانو' اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلّم ہو تو صُفہ کی درس گاہ کے معلّمِ قدس کو دیکھو۔ کسی بھی حال میں ہو تمھاری زندگی کے لیے نمونہ' تمھاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان اور تمھارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔

(ب) سفارش

مصنف کا نام: احمد ندیم قاسمی

خلاصہ:

میں تانگے کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھے فیکا کوچوان اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا' جو بڑا پریشان نظر آ رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کے بابا نے مصری شاہ میں ایک سرمہ فروش سے سرمہ لے کر اپنی آنکھوں میں ڈالا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی بینائی چلی گئی ہے۔ ہم نے لاکھ ٹوٹکے آزمائے ہیں' مگر کچھ فرق نہیں پڑا۔

ہم کسی کے کہنے پر بابا کو ہسپتال میں لے گئے ہیں جہاں ایک چوکیدار کی سفارش پر برآمدے میں جگہ مل گئی ہے' مگر آج تیسرا دن ہے کہ کوئی ڈاکٹر توجہ نہیں دیتا۔ آپ براہِ کرم میرے ساتھ چلیں اور کسی ڈاکٹر سے سفارش کر دیں۔

میں نے اسے اپنے شناسا ڈاکٹر عبدالجبار سے ملنے کی ہدایت کی اور سوچا کل خود جا کر ڈاکٹر جبار سے کہہ دوں گا کہ اس کے بابا کا علاج کرو۔ رات کو میری عدم موجودگی میں فیکا میرے گھر آیا اور میرا پوچھ کر چلا گیا۔ صبح دوبارہ آیا اور اس نے بتایا کہ اس کا بابا دسمبر کی سردی میں ساری رات برآمدے میں پڑا رہا' مگر کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ لیکن میں نے اسے کارڈ پر ڈاکٹر جبار کے نام یہ لکھ دیا کہ یہ غریب آدمی ہے' اس کا کام کرو۔ غریب دعائیں دے گا۔

شام کو فیکا پھر میرے گھر آیا اور مجھے بتایا کہ ڈاکٹر جبار تو مجھے ملے نہیں۔ میں نے فیکے سے وعدہ کر لیا کہ کل ضرور تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ وہ خوش خوش چلا گیا۔ تین دن کے بعد فیکا مجھے ملا تو میں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ میں نے ڈاکٹر جبار کو فون کر دیا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت ممنون ہوا۔

پھر پانچ دن کے بعد فیکے سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرے احسان تلے دبا جا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے باپ کا آپریشن ہو گیا ہے۔ جمعہ کو پٹی کھلی تو پتہ چلا کہ دوسری آنکھ کی بینائی بھی متاثر ہو گئی ہے۔ اس کا بھی آپریشن ہو گا۔ فیکا بہت پریشان تھا۔ میں نے ایک بار پھر ڈاکٹر جبار کو فون کیا' لیکن اس بار بھی ڈاکٹر جبار فون پر نہ ملا۔ لیکن اڑھائی ہفتے کے بعد فیکا آیا اور بولنے لگا کہ میرے بابا کی بینائی لوٹ آئی ہے۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بولا بابو جی میں زندگی بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔

اسے معلوم نہ تھا کہ میں نے اس کے لیے کوئی سفارش نہیں کی۔

سوال :5- حفیظ جالندھری کی نظم "ہلالِ استقلال" کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب :

"ہلالِ استقلال"

خلاصہ:

یہ پرچم جس پر ہلال کی تصویر ہے، ہمارے استحکام کی نشانی ہے۔ یہی ہمارے شہیدوں اور غازیوں کی قربانیوں کے طفیل ملا ہوا انعام ہے۔ یہ ہمارے قومی شہیدوں کا عطیہ ہے، جو خود تو راہِ حق پر قربان ہو گئے اور ہمارا دامن امیدوں سے بھر گئے۔ یہی پرچم حسینؓ ابنِ علیؓ کے اسوۂ مردانہ کی نشانی ہے اور اسی سے ملت کی شمع روشن ہے۔ جس کے گرد اسلام کے پروانے نثار ہوتے ہیں۔ یہ محمد بن قاسم کی سخاوت کا علم بردار اور طارق بن زیاد، سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمود غزنوی کے جذبۂ ملی کی نشانی ہے۔ یہی وہ پرچم ہے جسے دنیا میں فتح اور کامرانی کا پرچم کہا جا سکتا ہے۔ یہ زمین پر ابرِ رحمت ہے اور آسمان کی جانب سے ایک دل خوش کن نوید ہے۔ اسی سے ہماری عظیم روایات وابستہ ہیں اور یہی پرچم پاکستان کے استقلال کا ثبوت ہے۔

سوال :6- دو دوستوں کے درمیان "بے روزگاری" کے موضوع پر مکالمہ تحریر کیجیے۔ (10)

جواب : (دو دوستوں کے درمیان بے روزگاری کے موضوع پر مکالمہ)

علی: اسلام علیکم! کیسے ہیں احمد! کافی عرصہ سے ملاقات ہی نہیں ہو پائی آپ سے۔ کہاں ہوتے ہیں آپ آج کل؟

احمد: وعلیکم اسلام۔ کچھ خاص نہیں یار بس ملازمت کے لیے ادھر اُدھر مارا مارا پھر رہا ہوں۔

علی: آپ نے ایم اے اردو کا امتحان دیا ہوا تھا، کیا آپ کا نتیجہ آ گیا؟

احمد: یہ تو دو سال پہلے کی بات ہے، میں نے ایم اے کا امتحان درجہ اول میں پاس کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ میں نے کئی انٹرویو دیے، مگر کہیں ملازمت نہیں ملی۔ آج کل تو بالکل فارغ ہوں۔

علی: بالکل فارغ رہنا تو درست نہیں ہے۔ آپ کسی پرائیویٹ کالج میں ہی ملازمت کر لیتے۔

احمد: کہیں شنوائی ہوتی تو بات بنتی۔ بات یہ ہے کہ اب تو گزر اوقات بھی مشکل ہو گئی ہے۔

علی: غالباً آپ کے والد بھی ریٹائر ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ اب تو انھیں صرف پنشن ہی ملتی ہو گی۔

احمد: یہی تو بات ہے، والد محترم نے اب تک مجھ پر خرچ ہی خرچ کیا ہے۔ اور مجھے ان سے خرچ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔

علی: اس بے روزگاری نے تو اکثر پڑھے لکھوں کو عاجز کر رکھا ہے۔

احمد: حقیقت یہ ہے کہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض اوقات تو زندہ رہنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس بے روزگاری کے ہاتھوں کتنے ہی پڑھے لکھے لوگوں کی زندگی قتل وغارت اور لوٹ مار کا شکار بن گئی ہے۔

علی: میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اول تو کسی کو ڈگری نہ دے۔ اگر کسی کو ایم اے کا سرٹیفکیٹ دیتی ہے تو اس کے لیے روزگار کے مواقع بھی فراہم کرے۔ دراصل ہم نے ملازمت کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے اور ہم کوئی اور کام کرنے سے گھبراتے ہیں۔

احمد: اور کوئی کام؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟

علی: مثلاً تھوڑے سے سرمائے سے انسان کوئی کاروبار کرسکتا ہے۔ محنت مزدوری سے انسان کا رتبہ کم تو نہیں ہوتا۔

احمد: آپ نے بہت خوبصورت بات کی ہے۔ ہمارا دین تو محنت کا سبق دیتا ہے۔ اور مایوسی کو کفر قرار دیتا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ تو بہترین رازق ہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ سبب ضرور پیدا فرما دیں گے۔

علی: یہ ہے درست سوچ اور قابلِ قدر طرزِ عمل! صرف محنت اور کوشش مطلوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رزق تمھارا یوں پیچھا کرے گا جس طرح موت پیچھا کرتی ہے۔

احمد: آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری پریشانیوں کو سکون عطا کیا۔

علی: اب میں چلتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ خدا حافظ۔

احمد: خدا حافظ۔

(یا) کالج میں منعقدہ ''جلسہ تقسیم انعامات'' کی تقریب کی رُوداد قلمبند کیجیے۔

جواب:

''کالج میں تقریبِ تقسیمِ انعامات''

ہمارے کالج میں 28 اپریل کو سب سے اہم پروگرام یعنی جلسہ عطائے اسناد و انعامات منعقد

ہوا۔ اس جلسے کی رونق نے کچھ دن پہلے سے ہی کالج میں اپنے آثار پھیلانے شروع کر دیے تھے۔ پرنسپل کے دفتر میں نشستیں ہو رہی تھی۔ دفتر میں انعام پانے والے طلبہ کی فہرستیں تیار ہو رہی تھیں۔ اساتذہ اپنے اپنے مضمون اور کھیل میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ کو انعام دلانے میں سرگرمِ عمل تھے۔ جلسہ گاہ اور اس کے گرد و نواح میں مالی پھولوں اور کیاریوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف نظر آتے تھے۔ کہیں گملوں کو سرخ رنگ کیا جا رہا تھا تو کہیں گملے جمانے کی جگہ سفیدا کیا جا رہی تھی۔ جلسے کی تاریخ سے چوبیس گھنٹے قبل تو تیاریاں عروج پر تھیں۔ پنڈال میں سٹیج کی تیاریاں شایانِ شان طریقے سے کی گئیں۔ مہمانِ خصوصی، پرنسپل اور وائس پرنسپل کے لیے تین سنہری کرسیاں، ایک میز، روسٹرم اور مائیکروفون موجود تھے۔ دائیں جانب طلبہ کے لیے اسناد، انعامات، کپ، کتابیں اور شیلڈیں سجی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف اساتذہ اور بائیں طرف مہمانوں کے لیے رنگین کرسیاں لگیں جب کہ بالمقابل مہمانوں اور اسناد و انعام پانے والے طلبہ کو بٹھانے کا انتظام ہوا۔ باغیچے میں مہمانوں کے لیے چائے کا انتظام کیا گیا۔

آخر 28 تاریخ کی سہ پہر اساتذہ کرام سیاہ گاؤن پہن کر قطاروں میں کھڑے تھے کہ مہمانِ خصوصی جناب جسٹس ذکی الدین پال تشریف لائے۔ اساتذہ سے تعارف کرایا گیا اور پھر جلوس کی شکل میں پنڈال میں پہنچ کر سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد پرنسپل صاحب نے اپنے عہد میں ہونے والی سرگرمیوں کی مکمل رپورٹ پیش کی، جس میں کھیلوں اور نصابی مضامین میں طلبہ کی نمایاں انفرادی اور اجتماعی کامیابیوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ ثقافتی اور علمی سرگرمیاں طلبہ کی ذہنی، جذباتی، روحانی خوشی اور تعلیم کا سرمایہ ہیں۔ اس نہج پر ہمارے کالج کا اپنی دیرینہ روایات کی بنا پر ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ کالج اسلامی اقدار کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں بھی دیگر تمام اداروں پر فوقیت رکھتا ہے۔

کالج کی سرگرمیوں کی روداد کے بعد پرنسپل صاحب نے اسناد و انعام پانے والے طلبہ کو بہت شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا اور انھیں فرداً فرداً بلا کر مہمانِ خصوصی کے ہاتھوں انعامات دلوائے۔ نوجوان طلبہ گاؤن پہنے مسکراتے ہوئے جب ڈگریاں لینے اسٹیج کی طرف بڑھتے تو

زبردست تالیاں بجیں۔ پرنسپل صاحب نے فرمایا: ''آج یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر انعام پانے والے کے ساتھ خود میں نے بھی ایک انعام حاصل کیا ہے۔''

اس موقع پر صدرِ محفل نے پرنسپل اور اساتذہ کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کالج کے اعلیٰ نتائج کی تعریف کی اور اسناد پانے والے طلبہ کو مبارکباد دیتے ہوئے انھیں زندگی کے ہر میدان میں محنت اور جانفشانی کی تلقین کی۔ ملکی مسائل کو پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اپنے اندر ان مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

آخر میں مہمانوں اور اسناد و انعامات حاصل کرنے والے طلبہ نے اساتذہ اور پرنسپل کے ساتھ چائے پی اور یہ محفل برخاست ہوئی۔

سوال :7- پوسٹ ماسٹر کے نام منی آرڈر گم ہونے کی درخواست تحریر کیجیے۔ (10)

جواب : بخدمت جناب پوسٹ ماسٹر، پوسٹ آفس، لاہور

جنابِ عالیٰ!

گزارش ہے کہ میرے والد محترم نے ہاسٹل اور کالج کی فیس کی ادائیگی کے لیے بیس ہزار روپے بذریعہ منی آرڈر مجھے ارسال کیے تھے، جو کہ دس دن گزر جانے کے بعد ابھی تک مجھے نہیں ملے۔ ڈاک خانے کے عملہ سے بھی دریافت کیا ہے، مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کا منی آرڈر کہاں گم ہو گیا ہے۔

محترم پوسٹ ماسٹر صاحب آپ سے التماس ہے کہ میرے منی آرڈر کی گمشدگی کی فوری تحقیقات کروائی جائے اور ذمہ دار عملہ کے خلاف کارروائی کی جائے۔ مجھے پیسوں کی اشد ضرورت ہے۔ اگر کالج کی فیس بروقت جمع نہ ہوئی تو میرا نام کالج سے خارج کر دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے میرا ناقابلِ تلافی تعلیمی نقصان ہو جائے گا، جس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔

العارض

درخواست گزار

الف۔ب۔ج

20 مئی 2015ء

سوال 8: درجِ ذیل عبارت کی تلخیص کیجیے اور مناسب عنوان بھی تحریر کیجیے: (8,2)

دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو قوموں میں ملاپ ہوتا ہے تو ان کی زبانیں بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ذخیرے سے تھوڑے بہت الفاظ ضرور لے لیتی ہیں، جو اپنے بیگانہ ماحول میں دخیل کہلاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اس لیے مسلم ہے کہ یہ ہمیں دو قوموں کے تعلقات اور ان کی نوعیت (مذہبی، سیاسی، فوجی، سماجی وغیرہ) سے آگاہی بخشتے ہیں۔ جو ماضی کے کسی عہد میں استوار ہوئے تھے اور یوں تاریخ عالم کے ان گوشوں کو روشن کرتے ہیں جو ابھی پردۂ تاریکی میں ہیں اور جن تک ہماری رسائی کے تمام وسائل ختم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس اعتبار سے کہ ازمنہ قدیم کے حالات کا سراغ لگانے کے لیے زبان اور زبان کے الفاظ ہی ہمارا واحد وسیلہ اور آخری سہارا ہیں۔ دو قوموں کے ارتباطِ باہمی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دخیل الفاظ کی قدر و قیمت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

جواب: عنوان: "دخیل الفاظ کی اہمیت"

تلخیص:

قوموں کے باہمی ملاپ سے ثقافت اور زبانوں پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قوموں کے باہمی تعلقات اور رسوم و رواج کے بارے میں جاننے کے لیے ہمیں ان کی زبانوں کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے، کیونکہ زبان اور زبان کے الفاظ ہی ماضی کے بارے میں جاننے کا آخری وسیلہ ہیں۔ اس لیے ان کی اہمیت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔